سیرِ افلاک: اقبال اور معری کی نظر میں (تنقیدی وتقابلی جائزہ)

ڈاکٹر محمد ابوذر خلیل*

Abstract:

An imaginary journey of soul as accentuation to the world of Utopia or the world here after, this is a sort of visionary journey shared by the humanity at large right from ancient ages. It had been the heritage of various nations according to their regions perception and beliefs. The event of Escentuation ''معراج'' of the Holy Prophet (PBUH) is considered to be the Role Model / Precedent by the Muslim Sufi Scholars. Since this religious experience is of highly significance, thereby the Sufi Scholars holding the theory of pantheism are inclined to interpret this spiritual journey towards the ultimate destination of annihilation and union with Almighty Allah like a drop of water that annihilates itself in the occasion and becomes one with the whole. Iqbal disregard to the popular view of the Sufi Scholars, opines that the accentuation is not total diminishing but rahterely it is a path leading to everlasting life. Iqbal expressed with view in his book ''جاوید نامہ'' i.e.''رسالۃ الخلود''In this regard al-Muarri (1057) is one of the scholars who in his''رسالۃ الغفران'' discussed the same topic in length. This article deals with the critical study of the both authors with reference to their books, pointing out the various commonalities and the thoughts resulted therein.

أبو العلاء معری سن ۳۶۳ھ بمطابق ۹۷۳ء شام کے علاقے معرۃ النعمان میں پیدا ہوا۔ معرۃ النعمان کی طرف نسبت کی وجہ سے معری کے نام سے مشہور رہا ہے أبو العلاء کنیت تھی جسے وہ ناپسند کیا کرتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا

* شعبہ عربی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

کہ زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ میری کنیت اُبوالنزول ہوتی، بچپن ہی میں تقریباً چار سال کی عمر میں چیچک کی بیماری کی وجہ سے نابینا ہو گیا تھا اس کے باوجود طلب علم کے سلسلے میں مختلف شہروں کا سفر کیا، سن ۱۰۰۶ء بغداد کا قصد کیا وہاں کے علمی حلقوں اور خصوصاً وہاں کی بڑی بڑی لائبریریوں کو کھنگالتا رہا، علماء وشعراء سے ملتا رہا اور ان سے علمی تبادلہ خیال کرتا رہا مگر حالات ناساز اور مقاصد کے حصول میں ناکامی کے پیش نظر آخر کار اسے واپس معرۃ النعمان لوٹنا پڑا، واپسی کے بعد عوام الناس سے الگ تھلگ ہو کر اپنے آپ کو اپنے آبائی گھر کے ایک حجرے تک محدود کر دیا اپنے آپ کو درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے لئے وقف کر دیا، اپنی طرف سے اپنے اوپر چند پابندیاں عائد کیں زندگی بھر اپنے آپ کو عورت اور شادی سے دور رکھا کبھی گوشت نہ کھایا طبقۂ عوام اور حکمرانوں سے بھی اپنے آپ کو دور رکھا، عزلت و تنہائی کو اپنا شیوہ بنایا اسی حالت میں سن ۴۴۹ھ بمطابق ۱۰۵۸ء وفات پائی۔ (۱)

محمد کاظم اپنی کتاب ''اخوان الصفاء'' (مختلف مضامین کا مجموعہ) میں ابوالعلاء معری کے حالات زندگی اور اس کی شخصیت وفن پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سال ۳۶۳ھ (۹۷۳ء) تھا اور بستی معرۃ النعمان تھی جو حلب کے جنوب میں جانے والی شاہراہ پر بیس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں ایک تنوخی خاندان میں جس کے افراد زیادہ تر عالم، قاضی اور شاعر تھے، ۲۸ ربیع الاول کو جمعہ کے روز غروب آفتاب کے وقت ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد اور کنیت ابوالعلاء رکھی گئی۔ یہ لڑکا ابھی ساڑھے تین برس کا تھا کہ اس پر چیچک کے مرض نے حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں اس کا چہرہ تو داغدار ہوا ہی تھا، اس کی بائیں آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی اور دائیں آنکھ میں سفیدی اترنی شروع ہوئی۔ چھ برس کی عمر کو پہنچ کر یہ لڑکا پوری طرح نابینا ہو گیا۔ ابوالعلاء کے گھرانے میں علم تھا۔ شاعری تھی اور عہدہ قضا تھا۔ اس گھریلو ماحول اور اس کے نابینا پن نے اس کیلئے ایک ہی راستہ متعین کیا اور وہ تحصیل علم کا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے والد سے لغت، نحو اور اُدب کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ (۲)

قدماء کا اس کی وسعت علمی پر اتفاق ہے مگر اس کے عقیدہ کے بارے میں ان کے ہاں دو مختلف مگر انتہائی آراء پائی جاتی ہیں، ایک گروہ کی رائے میں ملحد زندیق اور کافر تھا جن میں پیش پیش ابن کثیر، ابن عقیل، العینی، اور ابن الجوزی ہیں۔

دوسرے گروہ کی رائے میں وہ انتہائی نیک، متقی، عابد وزاہد تھا، جن میں ابن العدیم، اُبوالسیر المعری اور عباسی المکی پیش پیش ہیں۔ حتیٰ کی امام غزالی اسے نیک وکار اولیاء اللہ میں سے شمار کرتے تھے۔

معری کے عقیدہ و مذہب کے بارے میں محمد کاظم لکھتے ہیں کہ معری کے مذہبی موقف کے بارے میں یہ

نزاع ومباحثہ (Debate) ایک زمانے سے چلا آتا ہے، اور آخری فیصلہ ابھی تک کسی ایک فریق کے حق میں نہیں ہوا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس تنازعے میں اگر کچھ سچ، ایک گروہ کے پاس ہے تو، کچھ سچ، دوسرے گروہ کے پاس بھی ہے۔ میں نے اس معاملہ پر جتنا کچھ سوچا ہے اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ معری اسلام کی روح اور اس کی بنیادی تعلیمات (سچائی، ایمانداری، قناعت اور انسان دوستی وغیرہ) پر تو ایمان رکھتا تھا، لیکن وہ ارباب شریعت کی طرف سے عائد کردہ ضابطوں اور فریضوں کی پابندی کو اپنے لئے لازم نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ Faith سے تو بہرہ مند تھا لیکن Dogma کا قائل نہیں تھا۔ اس کے اس ایمان کے تابع اس کا اپنا نظام عبادات تھا جس کی وہ پابندی کرتا تھا۔ لیکن جو چیزیں اس نظام سے باہر تھیں ان کا التزام اس نے کبھی نہ کیا۔ مثلاً وہ پانچ وقت نماز تو پڑھتا تھا، لیکن جمعہ کی نماز کیلئے نہیں جاتا تھا، اور نہ زندگی میں اس نے کبھی حج کیا تھا۔ اجتماعی عبادات میں لوگوں کا ہجوم اور ان کا ماحول اس کے خلوت پسند مزاج کے ساتھ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ وہ اپنے نابیناپن کے باعث بھیڑ بھاڑ میں جانے سے یوں بھی کتراتا تھا۔ **(۳)**

اقبال ۱۸۷۷ء میں پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی، حصول علم کے سلسلے میں لاہور آئے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔ اے کیا۔ یورپ کی بلند پایہ یونیورسٹیوں سے قانون اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اقبال نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے ذہنوں پر دینی وثقافتی گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں الگ اسلامی مملکت کے قیام کی بات کی جو آخر کار قیام پاکستان کی شکل میں شرمندہ تعبیر ہوئی۔ اقبال نے ۱۹۳۸ میں لاہور میں وفات پائی۔

سیر افلاک اور عالم بالا کے تخیلاتی سفر سے متعلق نظریات قدیم زمانہ سے مشترک انسانی ورثہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر دور میں ہر قوم و مذہب کے لوگوں نے اپنی علمی استعداد کے مطابق اس موجودہ دنیا اور دوسری دنیا کے بارے میں اپنے اپنے مذہبی پس منظر کے مطابق مختلف تصورات پیش کئے ہیں۔

معری اور اقبال اس میدان کے پہلے شہسوار نہیں ہیں بلکہ ان سے بہت پہلے مختلف قدیم ثقافتوں کے مطالعے سے اس تصور کا وجود ملتا ہے۔ ان قدیم ثقافتوں میں سے قدیم مصری تہذیب، ہندوستانی وچینی تہذیب، بابلی اور آشوری تہذیب، قدیم فارسی اور یونانی تہذیب میں اس تصور کے مختلف نشانات ملتے ہیں۔ اسلامی تہذیب و ثقافت میں اس تصور کا ذخیرہ مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ قرآن وحدیث کتب تفسیر، علماء وفقہاء اسلام، ادباء اور صوفیائے کرام نے اس تصور کو مختلف شکلوں میں پیش کیا ہے جس طرح کہ (اُلف لیلہ) کی بعض حکایات میں اس کا

تذکرہ آیا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر رجاء عبدالمنعم کہتے ہیں:

''اس تصور کا دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ اُدبیات نے تذکرہ کیا ہے۔کبھی عالم اُرواح کی طرف سفر کی شکل میں اور کبھی اس موجودہ دنیا کے علاوہ ایک دوسری دنیا کی طرف تخیلاتی سفر کی شکل میں عمومی طور پر اس تصور کو پیش کیا ہے''۔(۴)

ڈاکٹر بنت الشاطئی ''دانتے'' پر ابوالعلاء کے اثرات کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ کسی حد تک یہ ممکن ہے کہ المعری کو اس تصور کو پیش کرنے میں ''دانتے'' پر سبقت حاصل ہے مگر یہ تصور ایک ایسی عام انسانی سوچ ہے جو المعری سے بھی پہلے کی سوچ ہے بلکہ شاعری اور اُدب سے بھی پہلے کی سوچ ہے''،انہوں نے درست لکھا ہے کہ جب ہم ''رسالۃ الغفران'' اور ''ڈیوائن کا میڈی'' کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں عظیم شعراء دوسری دنیا کے اس خیالی سفر پر متفق ہیں،مگر کس میں یہ جرأت ہے کہ وہ یہ دعوی کرے کہ اُبوالعلاء المعری پہلا شخص نہیں ہے کہ جس نے یہ سوچ اور تصور پیش کیا ہے۔ بلکہ یہ تصور مشترکہ انسانی ورثہ ہے جب سے انسانیت نے یہ سن رکھا ہے کہ وہاں ایک اور دنیا ہے وہ اس کے بارے میں مختلف تمثیلیں اور اپنے اپنے انداز میں عالم بالا کی سیر کے تخیلاتی سفر کا تصور پیش کرتی آئی ہے۔اس عالم کی تصویر کشی قدیم زمانوں کی داستانوں میں سے ایک داستان ہے ہر دین و مذہب نے بڑی تفصیل سے اسے پیش کیا ہے المعری کو اس بارے میں سبقت دینے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی ،حتی کہ ہزاروں سال قبل اُساطیری اُدب میں بھی اس تصور کا تذکرہ ملتا ہے۔(۵)

اگر ہم قدیم و جدید اُدبیات عالم کا بغور جائزہ لیں تو اس تصوراتی سفر کا تذکرہ ہمیں تمام ترقی یافتہ اُدبیات میں مختلف شکلوں میں ملتا ہے۔اس اختلاف کی بڑی وجہ رسم و رواج اور مقامی تہذیب و عادات کا مختلف ہونا ہے۔ اس لئے شاید ہم حق بجانب ہیں کہ یہ سوچ قدیم مشترکہ انسانی سوچ ہے،اس ضمن میں ڈاکٹر رجاء جبر مزید کہتے ہیں:

''تاریخ انسانی میں مختلف اقوام کے مطالعے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے عالم بالا میں عالم ارواح کی سیر ہر قوم کے اُدبی،عوامی اور دینی میراث کا اہم جز رہا ہے،قدماء کے ہاں اس سیر کا بہت زیادہ تذکرہ آتا ہے،جس کا خواب وخیال سے تانا بانا بنا جاتا ہے مرکزی خیال جنت وجہنم کے اردگرد گھومتا ہے''۔(۶)

عالم بالا میں عالم اُرواح کی سیر کا تصور ہمیں یونانیوں کے ہاں بھی ملتا ہے، (ہومر) کی شہرہ آفاق (الیاذۃ) جس میں اس نے دوسری دنیا کے بارے میں بڑی تفصیل سے بہت سارے واقعات نقل کئے ہیں، بطور خاص مرے ہوئے لوگوں کی دنیا کے حالات و واقعات بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔جس طرح کہ ان واقعات میں آسمان کے دروازوں کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے، جنت کی نعمتوں کا تذکرہ آتا ہے اور جہنم کی تاریکیوں کی

کیفیت بیان کی جاتی ہے (ہومر) کی اس تخلیق میں موہوم عالم ثانی کے بارے میں اور بھی بہت ساری باتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ (۷)

ایرانیوں کے ہاں قدیم فارسی اُدب میں بھی اس سوچ کی بنیادیں پائی جاتی ہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر رجاء کہتے ہیں: ''ایرانی ایریا سٹڈی کے یورپی سکالر اس بات پر متفق ہیں کہ ایران میں عالم بالا کی سیر کا تصور سب سے پہلے (ارتاک فیراز نامک) میں ملتا ہے جو قدیم فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے جواب کتاب (القدیس فیراز) کے نام سے مشہور ہے۔ یورپی سکالرز کا خیال ہے کہ یہ تصنیف متعدد قدیم اُدبیات کا خزینہ ہے جس سے مختلف ادبیات عالم کے بنیادی ڈھانچے تراشے جاسکتے ہیں، جس میں اس عالم بالا کی ءسیر کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ (۸)

فارسی اُدب میں اس موضوع پر بہت زیادہ مواد ملتا ہے اس ضمن میں چند ایک مشہور کتب کا بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے، سنائی کی (سیر العباد) عطار کی (منطق الطیر)، کرمانی کی (مصباح الأرواح) اور ان سب سے آخر میں بہاءاللہ کی (سبعۃ أودیہ) کا ذکر آتا ہے جنہوں نے اس موضوع کو خوب نبھایا ہے۔ فارسی ادب میں اس موضوع پر جدید اُدبیات کی روشنی میں جو تخلیق معرض وجود میں آئی وہ ہے اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' جس میں اقبال نے رومی کی راہنمائی میں عالم افلاک کی سیر کا تخیلاتی تصور پیش کیا ہے۔

عربی ادبیات میں سیر افلاک پر معراج نبوي پہلی دینی و مذہبی نص ہے جس میں عالم غیبی کی طرف اس روحانی سفر کے قصے کا تذکرہ ملتا ہے۔ أبویزید بسطامی کی (المعراج) اور ابن سینا کا (رسالۃ حي بن یقظان) اور أبوالعلاءالمعري کا (رسالۃ الغفران) جو اس ضمن میں مشہور ترین تخلیقات ہیں۔

مغرب میں عالم بالا کی سیر اور اس تصور کی بنیادیں ہمیں اٹلی کے مشہور زمانہ شاعر (دانتے) کی شہرہ آفاق تصنیف ''طربیۂ خداوندی'' میں ملتی ہیں جس میں مصنف نے اس تصور کو بڑی تفصیل سے عالم غیبی کی طرف سفر کی شکل میں پیش کیا ہے اس سفر میں وہ جنت جہنم کی سیر کرتا ہے فردوس برین کے چکر لگاتا ہے۔

جدید مغربی اور عربی معاصر ناقدین کے ہاں ''دانتے'' کا اپنی اس تخلیق میں عربی شاعر أبوالعلاء المعری سے متاثر ہونے کے سلسلے میں بہت زیادہ مباحث ملتے ہیں جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ''دانتے'' نے یہ تصور أبوالعلاء المعری سے لیا ہے۔ اسی طرح انگریزی اُدب میں انگریزی شاعر ''ملٹن'' کے ہاں اس کی تصنیف ''فردوس گم گشتہ'' (Paradise Lost) میں اس سوچ کا ذکر ملتا ہے وہ اپنی اس کتاب میں ان دیکھی اس دنیا کی سیر کرتا ہے اور عالم غیبی میں موجود اس دنیا کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

تاریخ اُنسانی میں مختلف ملتوں اور قوموں کے درمیان عالم بالا کی سیر اور عالم افلاک کا سفر ایک قدیم

مشترکہ ورثہ ہے، قدیم مصریوں، ایرانیوں، یونانیوں اور عربوں کے ہاں مختلف انداز میں اس کا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ جدید یورپی اُدب میں واضح طور پر اِس کے اشارات و نشانات ملتے ہیں۔ عالم افلاک کی سیر کی شاید پہلی کتاب: اُبوالحسن علی بن منصور المعروف ابن القارح کی تالیف ہے جس میں اس نے جنت وجہنم کے مناظر اور حالات وواقعات بیان کئے ہیں اس نے اپنی اس تا ٔلیف میں جہنم کے ان مناظر کا تذکرہ کیا ہے جس میں اس نے ان منحرف شعراء اور خطباء جو ایمان نہیں لائے تھے جہنم میں ان کے عذاب دیے جانے کی زندہ منظر کشی کی ہے۔ جبکہ ابن القارح اُبوالعلاء المعری کے انتہائی قریبی دوستوں میں سے تھا معری کو ابن القارح کا یہ رویہ اچھا نہ لگا جواب میں اپنی کتاب ''سالۃ الغفر ان'' تا ٔلیف کیا، جس میں وہ تخیلاتی طور پر جنت کی سیر کو جاتا ہے جہاں اس کی زمانہ جاہلیت کے چند شعراء سے ملاقات ہوتی ہے جو قبل از اسلام فوت ہو چکے تھے اور اسلام کے بارے میں انہیں کوئی علم بھی نہ تھا، معری خوفزدہ ہو کر ان سے پوچھتا ہے کہ تم تو اسلام کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے فوت ہو چکے تھے تو اب تم جنت میں داخل ہونے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟ ان شعراء میں سے ہر ایک معری کو اس کے سوال کا جواب دیتا ہے اور اپنے بخشے جانے کی وجوہات بیان کرتا ہے، زہیر بن اُبی سلمی اس بارے میں اپنی رائے دیتا ہے، جبکہ امرؤ القیس کا اس بارے میں ایک خاص موقف ہے اور عبید ابن الأبرص اپنی بخشش کی ایک الگ انوکھی وجہ بتلاتا ہے۔ (۹)

عربی اُدب میں سیر افلاک کے سلسلے میں سب سے پہلا کام ابن القارح نے کیا جس میں اس کا رویہ انتہائی تھا، جس کے جواب میں ابوالعلاء المعری نے دوسرا انتہائی رویہ اپنایا، اِس ضمن میں درمیانی راہ اپنانے والے محی الدین ابن عربی ہیں جس نے اپنی کتاب ''الفتوحات المکیۃ'' میں عالم افلاک کی طرف سیر کے تصور کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔

جب ہم عالمی اُدبیات میں عالم افلاک کی طرف ان تخیلاتی سفروں کے تذکرے پڑھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں بیشتر ایک دوسرے سے ملتے جلتے قصے ہیں، ان میں سے کچھ تو ماضی کی عظمت کی حکایتیں بیان کرتے ہیں اور کچھ روشن مستقبل کی نشاندھی کرتے ہیں۔ اِن خیالی سفروں سے یہ بھی نتائج اُخذ کئے جا سکتے ہیں کہ دنیا کے بیشتر اُدبیات باہمی اُثر پذیری کے مراحل سے گزر کر اپنی انتہائی شکل کو پہنچے ہیں۔

اقبال اور معری کے عالم افلاک کے ان سفر ناموں میں ایک عجیب سی قدر مشترک اور مشابہت ہے دونوں وہاں جا کر شعراء سے ملتے ہیں، ان سے ادبی، لغوی اور بعض ان سے منسوب اُشعار کے متعلق سوال و جواب کرتے ہیں۔ اقبال کا ''جاوید نامہ'' اُبوالعلاء المعری کے ''رسالۃ الغفر ان'' کی یاد دلاتا ہے، بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ معری نے سن 424 ہجری میں ایک عمدۃ عربی نثر میں املا کروایا، جس میں اس نے جنت وجہنم کی تخیلاتی سیر کی جس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص شعراء واُدباء کو کس طرح معاف فرما دیا اگرچہ وہ نافرمان ملحد اور کافر ہی کیوں نہ تھے۔

اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں ''رسالۃ الغفر ان'' سے نہ صرف نفس مضمون میں بہت زیادہ گہرا اثر قبول کیا بلاشبہ مضمون تو اسلامی وروحانی ہی تھا مگر فن اور خوبصورت قالب کے اعتبار سے بھی اقبال معری سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ مضمون کے علاوہ فنی اعتبار سے بھی ان دونوں میں بہت گہری مشابہت پائی جاتی ہے، ''جاوید نامہ'' اقبال کے فکر کی معراج ہے جس طرح کہ ''رسالۃ الغفر ان'' معری کے فکر کی معراج ہے دونوں کے ہاں سب سے پہلی قدر مشترک آسماں کی طرف خیالی سفر کا تصور ہے جس میں دونوں عالم بالا کی طرف سفر کرتے ہیں، جنت ودوزخ کی سیر کرتے ہیں، عالم ارواح میں اپنے اپنے زمانے کی معروف شخصیات سے ملتے ہیں، اقبال اپنے اس سفر میں دین، فلسفہ، سیاست اور شعراء واُدباء کے متعلق بات چیت کرتا ہے۔

دوسری جانب معری کا بھی ''رسالۃ الغفر ان'' میں گفتگو کا میدان دین، فلسفہ اور اُدب ہے۔ معری اپنے اس سفر میں جنت میں زمانہ جاہلیت کے شعراء سے ملتا ہے اور ان سے اُدبی، لغوی اور ان سے منسوب بعض اُشعار کے بارے میں پوچھتا ہے، ان میں سے زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر ''اعشیٰ'' سے ملتا ہے اور بڑی حیرانی سے اس کے جنت داخل ہونے کی وجہ پوچھتا ہے اور کہتا ہے مجھے بتاؤ تمہیں جہنم سے کیسے چھٹکارا ملا اور تم دوزخ کے داروغہ سے کس طرح بچ نکلے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نبی کریمؐ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے رسول یہ (اعشیٰ) ہے، جس نے اس دنیا میں آپ کی مدح کی تھی، اور آپ کے نبی مبعوث ہونے کی گواہی دی تھی، تو اس پر نبی کریم نے فرمایا: کہ وہ دنیا میں میرے پاس کیوں نہ آیا۔ حضرت علی نے جواب دیا، وہ آیا تو تھا مگر قریش نے اس کا راستہ روک لیا تھا اور دوسرا شراب کی محبت آپ سے ملاقات کی راہ میں رکاوٹ بن گئی تھی۔۔۔۔ تو حضرت علی نے میری سفارش کی اور اس شرط پر میں جنت میں داخل کر دیا گیا کہ میں اس دنیا میں شراب نوشی نہیں کروں گا۔ (۱۰) اسی طرح اقبال بھی اپنے اس سفر میں جنت کی طرف سیر کے لئے جاتے ہوئے جنت میں مشہور ہندو شاعر سے ملتا ہے اور اس سے حیرانگی میں جنت داخل ہونے کی وجہ دریافت کرتا حالانکہ اس نے دنیا میں کلمہ بھی نہیں پڑھا تھا۔

اقبال اور معری دونوں کے ان تخیلاتی سفر ناموں کا بغور تقابلی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عالم افلاک کی اس سیر میں دونوں شاعروں کے درمیان بنیادی فکر، اسلوب، سفر کی ترتیب اور حتیٰ کہ نفس مضمون میں کس قدر مشابہت پائی جاتی ہے جہاں ان سفر ناموں میں بہت ساری چیزوں میں مشابہت پائی جاتی ہے وہاں کچھ امور میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر زبان اور زمان میں کیونکہ معری نے اپنا یہ سفر نامہ سن ۴۲۴ ہجری میں نثر میں بزبان عربی تحریر کروایا تھا جبکہ اقبال نے اپنا ''جاوید نامہ'' ۱۹۳۲ میں بزبان فارسی نظم کیا تھا۔

جہاں تک موضوع کا تعلق ہے دونوں شاعر بنیادی فکر پر متفق ہیں اور وہ عالم بالا کا خیالی سفر ہے ''رسالۃ

الغفر ان'' میں معری عجیب وغریب انداز میں اس سفر کو پیش کرتا ہے وہ سب سے پہلے اس محسوس کی جانے والی دنیا سے دوسری غیرمحسوس دنیا کی طرف سفر کرتا ہے اور پھر جنت وجہنم کی سیر کرتا ہے۔اسی طرح اقبال اپنے ''جاوید نامہ'' میں سب سے پہلے عالم بالا کی طرف جاتا ہے اور پھر جنت وجہنم کی سیر کرتا ہے۔معری اپنے اسی سفر میں ابن القارح کو اپنا ہمسفر بناتا ہے اس سے ہمکلام ہوتا ہے جبکہ اقبال رومی کو اپنے اس سفر کا رہبرورہنما بناتا ہے۔عالم بالا میں جا کر دونوں اپنے اپنے زمانے کے شعراء واُدباءاور مفکرین سے ملتے ہیں۔

حناالفاخوری معری کے رسالۃ الغفر ان کے متعلق لکھتا ہے:

> ''معری نے یہ خط اپنے ایک حلب کے ہمعصر دوست علی بن منصور المعروف ابن القارح کے خط کے جواب میں تحریر کیا تھا جس میں ابن القارح نے معری سے زند یقیت اور منکرین دین کے بارے میں کچھ سوالات کئے تھے تو معری نے اپنی اس کتاب میں بڑی مہارت سے منہ توڑ جواب دیے جن سے اپنی وسعت علمی اور قادرالکلام ہونے کا بھی ثبوت پیش کیا''۔(۱۱)

جہاں تک اقبال کے (جاوید نامہ) کے موضوع کا تعلق ہے تو اقبال کا ''جاوید نامہ'' اس کا عظیم کارنامہ ہے وہ دراصل مشرقی طربیہ خداوندی ہے۔جس میں اقبال نے زندگی کے مختلف مسائل سے متعلق اپنے افکاروآراءکو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا۔(۱۲)

معری کا (رسالۃ الغفر ان) بنیادی طور پر دوحصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں روایت غفران ہے اور دوسرے حصے میں ابن القارح کے خط کا جواب ہے۔روایت غفران سے مرادمعری کا ایک خیالی قصہ ہے جس میں وہ خیال کرتا ہے کہ روز قیامت ابن القارح کو معاف کر کے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے جہاں وہ عیش وعشرت سے رہ رہا ہے اسلام اور زمانہ جاہلیت کے شعراء سے ملتا ہے اوران سے ان کی بخشش کے بارے میں سوالات کرتا ہے،اسی وجہ سے اپنی اس کتاب کا نام (رسالۃ الغفر ان) رکھتا ہے،ان شعراء سے اُدبی مجالس منعقد کرتا ہے پھراس کے عفریتوں کی جنت کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہاں سے پھر جہنم کی طرف نکل جاتا ہے اور وہاں سے پھر واپس جنت کی طرف لوٹ آتا ہے۔معری اپنی اس کتاب میں ابن القارح کے افکار کی تردید کرتا ہے جو اس دور کے مذاہب اور بدعات کی تحلیل و تجزیہ پر مشتمل ہے۔ابن القارح نے اپنے خط میں جن لوگوں کو ملحد وکفار سمجھا تھا معری نے اپنی اس کتاب میں ان میں سے کچھ لوگوں کا دفاع کیا ہے اور کچھ لوگوں کے بارے میں اس سے موافقت کی ہے۔اس طرح معری نے اپنی اس کتاب میں اپنی علمیت کے جوہر دکھلائے ہیں اوراسی کتاب کے ذریعہ اپنے آراءوافکار کی تشہیر کی ہے۔

دوسری جانب اقبال نے (جاوید نامہ) میں اپنے فلسفیانہ افکاروآراءپیش کئے ہیں اوراپنے معاشرہ کے

مسائل کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔جس کے بارے میں پروفیسر محمد سعید لکھتے ہیں: اقبال کا ''جاوید نامہ'' اقبال کے باقی دواوین سے اس لئے منفرد و ممتاز ہے کہ اس کے باقی دواوین مختلف موضوعات کے مختلف قطعات پر مشتمل ہیں جبکہ جاوید نامہ میں ایک مکمل قصہ ہے جس کے مختلف اجزاء آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جس میں مختلف واقعات وافکار ایک ہی سمت میں جاری وساری ہیں اور ان سب واقعات کی غرض وغایت اور انتہا بھی ایک ہی نقطہ پر ہوتی ہے۔ایک ہی مسئلے پر اتنی طویل گفتگو اقبال کے کسی اور دیوان میں نہیں ملتی۔(۱۳)

اقبال کی طرح معری کے عالم بالا کی تخیلاتی سیر کے بارے میں حنا الفاخوری لکھتے ہیں: معری اپنے اس عالم بالا کے سفر نامے میں گہرے تفکر اور وسیع ثقافت کا مظہر ہے جس میں اس نے اپنے آپ کو ادیب ونقاد ماہر لسانیات تاریخ دان اور مذاہب عالم کے ماہر کے طور پر پیش کیا ہے۔(۱۴)

اقبال کا جاوید نامہ درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔مناجات:

۲۔عالم بالا کے سفر سے پہلے:

اس مرحلے پر اقبال خدا کے حضور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے زمان ومکان کے شر سے محفوظ فرمائے اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو سکے اور وہ ہے حیات ابدی۔

۳۔سیر افلاک:

عالم بالا کے سفر کا دوسرا مرحلہ عالم افلاک کی طرف بلندی اور عروج کا ہے جس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

۱۔فلک القمر ۲۔سفر عطارد ۳۔الزہرۃ ۴۔المریخ

۵۔المشتری ۶۔زحل

۴۔ ماوراء افلاک کا سفر:

عالم بالا کے سفر کا تیسرا مرحلہ ماوراء افلاک کا مرحلہ ہے ان تینوں مرحلوں میں اقبال بڑے بڑے شعراء و اُدباء اور زعماء سے ملاقات کرتا ہے۔اور ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا ہے پہلے دوسرے مرحلے میں خدا کے حضور دعا گو ہوتا ہے اور تیسرے مرحلے میں جو کہ ماوراء افلاک ہے اس میں اللہ تعالی سے ملاقات مکمل ہو جاتی ہے۔اقبال کے اس سفر نامے کی غرض وغایت اپنے پیغام کو عام کرنا ہے، وہ اس پیغام کے ذریعہ سوئی ہوئی امت کو بیدار کرنا چاہتا ہے اور خاص طور پر نوجوان نسل کو طاقتور دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس دنیا تو کیا اگلی دنیا جو کہ ماوراء نظر ہے اس پر غلبہ حاصل کر لیں اس سفر نامے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہے نوجوان نسل جہد مسلسل کی عادی ہو جس کے ذریعہ

خیر مطلق اور حق مبین کا حصول ممکن ہو پھر اس کے بعد محبت و جمال کی وادی میں ڈوب جائیں جو اس کائنات کی اساس ہے۔اقبال کے اس خیالی سفر کا مقصد انسان کو رفعتوں اور بلندیوں کی انتہا تک پہنچانا ہے حتی کہ وہ معراج کی حد تک پہنچ جائے جو ایک منفرد انسانی کارنامہ ہے۔اسی طرح اقبال کا اس سفر کا مقصد نسل نو کو عظماء وصلحاء کی زبانی پند ونصائح کرنا بھی ہے۔

معری اپنے اس خیالی سفر میں اقبال کی طرح شعراء وادباء سے ملتا ہے ان سے گفتگو کرتا ہے اس کی گفتگو کا محور ومرکز زیادہ تر دینی، سیاسی اور اجتماعی مسائل ہیں۔معری اپنے اس سفر کے پہلے مرحلے میں ایک ادیب سے دوسرے ادیب کے پاس جاتا ہے، ادباء کی زندگی کے متعلق گفتگو کرتا ہے اپنے دور کے ادب پر اسلام کی چھاپ اور اس کے اثر کا تذکرہ کرتا ہے نقادین نے شعراء کے جو مختلف طبقات بنائیں ہیں اور ان میں جو ناانصافیاں کی ہیں ان کا تذکرہ کرتا ہے پرانے شعراء کی نفسیات کا تذکرہ کیا جو اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں۔(۱۵)

معری اپنے اس خیالی سفر میں کچھ شعراء سے معاشرتی واجتماعی مسائل پر گفتگو کرتا ہے خاص طور عباسی دور کے شعراء کے شراب نوشی اور جنونیت پر مواخذہ کرتا ہے۔وہ اپنے اس سفر میں علمی وادبی موضوعات کو تنقیدی انداز میں پیش کرتا ہے اپنے دور کے رائج اعتقادات ونظریات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے اپنی قوم کی عادات واخلاقیات پر سیر حاصل کلام کرتا ہے۔(۱۶)

علامہ اقبال کے برعکس معری نے اپنے ہر ایک موضوع اور موقف پر سخت ترین زبان استعمال کی ہے تمسخرانہ انداز اپنایا ہے غیر مانوس الفاظ وتراکیب کا کثرت سے استعمال کیا، تاریخی واقعات کو اشاروں کنایوں میں بیان کیا ہے، ضرب الأمثال بہت زیادہ لایا ہے انداز بیاں بڑا پر لطف بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے، معری ہمیشہ اپنے کلام کے پیچھے کھڑا ہوا نظر آتا ہے وہ اپنے اڑتے شکار پر خوب تاک کے نشانہ باندھتا ہے معاشرے اور لوگوں میں اپنے شکار کو خوب اچھے طریق سے پہنچتا ہے۔وہ ایسا عالم ہے کہ اس کی تنقید اشارات وتلمیحات میں ہوتی ہے مگر ان اشارات وتلمیحات کے پیچھے ایک مضبوط شخصیت ہوتی ہے جو ٹھیک سے اپنے اہداف کو پہنچتی ہے۔(۱۷)

معری کے (رسالۃ الغفر ان) اور علامہ اقبال کے (جاوید نامہ) کے بغور جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان دونوں عالم بالا کے تخیلاتی سفر ناموں میں بنیادی سوچ، موضوعات، سفر کا بنیادی خاکہ اور ترتیب میں بہت زیادہ مطابقت ومشابہت پائی جاتی ہے۔باوجود اس کے کہ دونوں کی زباں مختلف ہے معری نے ''رسالۃ الغفر ان'' عربی نثر میں جبکہ اقبال نے ''جاوید نامہ'' بزبان فارسی نظم کیا، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اقبال نے اپنی اس تخلیق میں معری سے اثر قبول کیا جبکہ ان دونوں تخلیقات کی موضوعاتی اور ترتیب کی مطابقت اس سوچ کو تقویت

پہنچاتی ہے گو کہ معری کی تخلیق اقبال کی تخلیق سے کئی صدیاں ماقبل کی ہے مگر علم وفکر کی دنیا میں بعد زماں ومکاں کوئی معنی نہیں رکھتے۔ افلاک کے تخیلاتی وتصوراتی سفر نامے میں معری ''رسالہ الغفر ان'' میں حیرت ناک انداز سے اس دنیا سے دوسری دنیا اور پھر جنت وجہنم کی طرف تخیلاتی سفر کرتا ہے اسی طرح اقبال کے ہاں بھی اس سفر کے تین مراحل ہیں ایک اوپر جانے سے پہلے دوسرا اوپر جانے کا جہاں وہ جنت وجہنم کی تصوراتی سیر کرتا ہے اور پھر اس کے بعد ماوراءِ محسوسات کا سفر ہے معری بھی اپنے اس سفر میں ''ابن القارح'' کو اپنا رہنما بناتا ہے جبکہ اقبال ''رومی'' کی رہنمائی میں یہ منزلیں طے کرتا ہے، اقبال بھی اپنے اس سفر میں بڑے بڑے شعراء واُدباء فلاسفر اور اپنے اپنے زمانے کے عظیم لوگوں سے ملاقاتیں کرتا ہے ان سے سوال وجواب کرتا ہے اسی طرح معری بھی ان لوگوں سے ملتا ہے مگر معری کے ہاں لغوی واُدبی پہلو زیادہ غالب ہے جبکہ اقبال کے ہاں معاشرتی، مذہبی اور نصیحت آموز پہلو زیادہ نمایاں ہیں وہ ''جاوید نامہ'' میں اسی عالم بالا کے سفر میں ''طاسین محمدؐ'' میں ''نوحۂ روح اُبوجہل درحرم کعبہ'' کے عنوان کے تحت کہتا ہے:

مذہبِ او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضلِ عرب
درنگاہِ او یکے بالا وپست
باغلام خویش بر یک خواں نشست
قدرِ احرارِ عرب نشناختہ
باکلفتانِ حبش درساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانے ریختند
عزتِ ہاشم ز خود مہجور گشت
از دو رکعت چشم شاں بے نور گشت

(کلیات اقبال فارسی، ص۶۴۳)

معری کے ہاں بھی انسانی مساوات کی فکر غالب ہے، وہ متعدد پہلوؤں سے انسانوں کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ قضاوقدر کے فیصلے سب پر یکساں صادر ہوتے ہیں ان کی پیدائش ایک طریقہ پر ہوتی ہے اور انجام کار وہ ایک صورت اختیار کر لیتے ہیں؛ وہ کہتا ہے؛

لا يفخرن الهاشمي

على امرئ من آل بربر

فالحق يحلف ما علي

عنده إلا كقنبر

(لزومیات ص ۵۶۷)

کوئی ہاشمی، قبیلہ بربر کے کسی فرد سے برتر ہونے کا دعوی یا فخر نہ کرے، حق گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے غلام ''قنبر'' کے برابر ہیں۔

اقبال نے جوابِ شکوہ میں ''رضوان'' کونہایت بذلہ سنج اور سخن شناس بتایا ہے:

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضوان سمجھا

مجھکو جنت سے نکالا ہوا انسان سمجھا

(کلیات اقبال اردو، ص ۱۹۹)

کسے معلوم کہ اس شعر میں عربی کے نامور شاعر معری کا کتنا حصہ ہے، معری اپنے عالم بالا کے عالم ارواح کے سفر کے دوران ابن القارح کی زبانی حشر کی آپ بیتی کچھ اس طرح بیان کرتا ہے: میں جب قبر سے نکل کر میدان حشر میں پہنچا اور وہ دن قرآن مجید میں پچاس ہزار برس کا بیان ہوا ہے تو یہ مدت مجھے بہت لمبی معلوم ہونے لگی۔ گرمی کی شدت سے میں سخت پیاسا تھا۔ میں پہلے ہی جلد پیاس محسوس کرنے کا عادی تھا، مجھے معلوم ہوا کہ میں اس کیفیت کی تاب نہ لاسکوں گا۔ میرے نگران فرشتہ نے جو میرا عمل نامہ دکھایا اس میں نیکیاں خال خال تھیں، البتہ آخر میں توبہ، تاریک شب میں رہرو کیلئے شمع کی طرح روشن تھی۔ دو ماہ بھی نہ ہوئے کہ مجھے پسینہ میں غرق ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ میرے دل نے سمجھایا کہ میں خازن جنت (رضوان) کی شان میں قصیدہ پیش کروں جو میں نے امرؤالقیس کے مصرعہ:

قفا نبک من ذکری حبیب وعرفان

کے وزن اور ردیف وقافیہ پر کہا اور اسے ''رضوان'' کے نام موسوم کیا۔ پھر لوگوں کی بھیڑ کو کاٹتا ہوا ایسی جگہ پہنچا جہاں سے ''رضوان'' مجھے دیکھ اور میری سن رہا تھا۔ لیکن اس نے مجھے کوئی اہمیت نہ دی اور میرا خیال ہے کہ وہ نہ میری بات سمجھا، نہ اس نے مجھے درخورِ اعتنا گردانا، میں دنیا کے وقت کے مطابق کوئی دس دن کھڑا رہا پھر میں نے دوسرا قصیدہ تیار کیا۔ اخطل کے مندرجہ ذیل شعر کے ردیف وقافیہ کے مطابق:

بـان الـخـلـيـط ولو طووعت مابانا

وقـطـعـوا مـن حبال الوصل اقرانا

اور اسے بھی ''رضوان'' کے نام موسوم کر کے پہلے کی طرح اس کے قریب پہنچ کر پڑھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں پہاڑ کو ہلانے کی کوشش کر رہا ہوں اور جیسے میں راکھ سے آگ سلگا رہا ہوں۔ الغرض میں نے وہ تمام اوزان اور ردیف وقوافی تلاش کر کے جن میں رضوان کا استعمال ہو سکے۔ اس کی شان میں قصیدے پر قصیدے کہنا شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ میری پونجی ختم ہوگئی، لیکن کامیابی کی کوئی صورت پھر بھی نظر نہ آئی میں نے اپنی بلند ترین آواز سے رضوان کو پکارا۔ اے عظیم قوتوں کے مالک رضوان! اے فردوس کے نگران۔ کیا تم میری پکار اور فریاد نہیں سن رہے؟ اس نے جواب دیا! میں کچھ سن تو رہا ہوں کہ تم (رضوان) کا نام لے رہے ہو، لیکن میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ اے مسکین! تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ جناب میں ایک کمزور انسان ہوں دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت برداشت نہیں کر سکتا۔ حساب کا وقفہ میرے لئے صبر آزما ہے، میرے پاس توبہ نامہ ہے۔ جو تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔ میں دیر سے تمہاری شان میں قصائد پڑھ رہا ہوں اور ان اشعار میں آپ کا نام لے رہا ہوں۔ رضوان نے دریافت کیا۔ یہ شعر وقصائد کیا چیز ہوتے ہیں؟ یہ لفظ تو میں نے اس سے پہلے کبھی سنا بھی نہیں۔ میں نے کہا: اشعار شعر کی جمع ہے اور شعر موزوں کلام کو کہتے ہیں جو اپنی شرائط پر پورا ہو تو طبیعت اسے قبول کرتی ہے اگر اس میں کمی بیشی ہو تو شاعری کا ملکہ بتا دیتا ہے۔ دنیا میں تو ہم رئیسوں اور بادشاہوں سے قرب حاصل کرنے کیلئے اس کو وسیلہ بناتے تھے۔ اب یہ لے کر آپ کے پاس آیا ہوں کہ جنت میں داخلہ پاؤں۔۔۔۔۔۔ رضوان نے کہا تم نادان معلوم ہوتے ہو۔ بھلا رب العزت کی اجازت کے بغیر میں تمہیں جنت میں داخلہ کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہوں؟ (۱۸)

اقبال اور معری نے اپنے اس عالم بالا کے تخیلاتی سفر اور جنت وجہنم کی سیر کے دوران جن واقعات و مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے اگر دونوں سفر ناموں کا بغور جائزہ لیا جائے تو دونوں کے ہاں مضمون، ترتیب سفر واقعات و مشاہدات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ علامہ اقبال ہندی کے مشہور شاعر (برتری ہری) کو جنت میں دیکھتے ہیں اور معری زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء کو جنت میں پاتا ہے۔ یہ کیفیت خدائے تعالیٰ کے غفران کی وسعت، انسان دوستی اور رحمت الٰہی سے پر امید رہنے کی عکاسی کرتی ہے۔ العرض دونوں شاعر رحمت الٰہی کی لامحدود وسعت پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت کا دروازہ بلا تعصب ہر راست باز انسان کیلئے کھلا رکھتے ہیں جس کی دلیل دونوں کی تخلیقات کے نام ہیں۔ رسالۃ الغفران اور جاوید نامہ دونوں کے صرف ناموں ہی سے یہ پیغام واضح طور پر عیاں ہو رہا ہے۔ مگر دونوں نے اس سفر سے جو نتائج اُخذ کئے ہیں وہ سراسر مختلف ہیں، جن کے بارے ڈاکٹر طہٰ حسین نے کیا خوب تجزیہ کیا ہے،

کہتے ہے:''کیا عجیب بات ہے کہ دونوں کے سیر افلاک کے تخیل وتصور میں کس قدر یکسانیت پائی جاتی ہے دونوں نے بیک وقت اس معجزہ میں غور وخوض کیا جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے اور وہ ہے واقعہ معراج، جس سے دونوں نے خوب اثر قبول کیا حتی کہ اس واقعہ کی روشنی میں دونوں نے اس طرح سیر کرنی چاہی جس طرح نبی کریم کو سیر کرائی گئی ایک طرف اُبوالعلاء جو اس سفر میں جنت و دوزخ کے بارے میں سوچتا ہے ان کی سیر کرتا ہے، جنتیوں اور جہنمیوں سے ہمکلام ہوتا وہ اپنے اس سارے تخیلاتی سفر کو''رسالۃ الغفران'' کی شکل پیش کرتا ہے۔دوسری طرف وہ شخص ہے جس کے لئے آج یہ محفل سجی ہے اور وہ ہے اقبال، کہ جس نے یہ ٹھان لی کہ وہ ضرور آسماں کی بلندیوں پہ اسی طرح جائے گا جس طرح محمدؐ گئے تھے۔دونوں تخیلاتی طور پر آسمانوں پر گئے، اقبال نے آسمانوں کی اس سیر کے دوران ایک صوفی بزرگ جو جلال الدین رومی تھا۔اس کو اپنے اس سفر کا رہبر بنایا اس کی رہنمائی میں قمر، مریخ اور بہت سارے سیاروں کی سیر کی۔

ڈاکٹر طہٰ حسین آخر میں معری اور اقبال دونوں کے اس تخیلاتی سفر سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس سفر کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے آخر کار اقبال نے اس تخیلاتی سفر میں اسی طرح آسمانوں کا طواف کیا جس طرح کہ معری نے کیا، لیکن اس سفر کے نتائج دونوں کے ہاں مختلف ہیں ان میں بہت زیادہ تباین واختلاف ہے۔ معری اپنے اس سفر سے دین کا تمسخرہ اڑانے والا منکر ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھنے والا بن کر لوٹا اور قریب تھا کہ دین سے بھی خارج ہو جاتا مگر دوسری طرف اقبال جو اپنے اس سفر سے مومن بن کر لوٹا اس سارے سفر کے واقعات سے عبرت حاصل کی اور وہ چاہتا تھا کہ ساری دنیا بھی اس سفر کے بیان کردہ واقعات سے عبرت حاصل کرے۔(۱۹)

ہم جب عالمی ادبیات میں عالم افلاک کی طرف ان تخیلاتی سفروں کے تذکرے پڑھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں بیشتر ایک دوسرے سے ملتے جلتے قصے ہیں۔ان میں سے کچھ تو ماضی کی عظمت کی حکایتیں بیان کرتے ہیں اور کچھ روشن مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ان خیالی سفروں سے یہ بھی نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں کہ دنیا کے بیشتر ادبیات باہمی اثر پذیری کے مراحل سے گزر کر اپنی انتہائی شکل کو پہنچتے ہیں۔

اقبال کے اس سفر نامے کی غرض وغایت اپنے پیغام کو عام کرنا اور اس پیغام کے ذریعہ سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنا خاص طور پر وہ نوجوان نسل کو طاقتور دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس دنیا تو کیا اگلی دنیا جو کہ ماوراءِ حس ونظر ہے اس پر غلبہ حاصل کرلیں۔اس سفر نامے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ نوجوان نسل جہد مسلسل کی عادی ہو جس کے ذریعہ خیر مطلق کا حصول ممکن ہو، پھر اس کے بعد محبت و جمال کی وادی میں ڈوب جائیں جو اس کائنات کی اساس ہے۔ اقبال کے اس خیالی سفر کا مقصد انسان کو رفعتوں اور بلندیوں کی انتہا تک پہنچانا ہے حتیٰ کہ وہ معراج کی حد تک پہنچ

جائے جو ایک منفرد انسانی کارنامہ ہے۔اس سفر کا ایک مقصد نسل نو کو عظماء وصلحاء کی زبانی پند ونصائح بھی کرنا ہے۔

معری بھی اپنے اس سفر نامے سے یہ پیغام عام کرنا چاہتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں برائیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کی جگہ نیکی ، محبت اور حسن سلوک کو دینی چاہیے برائی کے بدلے نیکی اور درگزر سے کام لینا چاہیے جس طرح کہ خدا آخرت میں عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے ہر اس شخص کو معاف فرما دے گا جس کے نامہ اعمال میں ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی۔معری کے خیال میں دین، روزہ، نماز کا نام نہیں بلکہ اصل دین انسانیت کی منفعت رسانی ہے۔

ان دونوں سفر ناموں سے یہ بھی پیغام ملتا ہے کہ انسان اس کائنات میں ایک ایسی تخلیق ہے جسے فنا نہیں۔ اسے اپنے نیک اعمال کی بدولت بقا ودوام حاصل ہے۔دونوں کے ہاں اس سفر نامہ میں یہ تصور بھی عام ہے انسان کو خواہ وہ جس رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس دنیا کو خوبصورت بنانے میں اپنا اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔جس کا دوسری دنیا میں اس کو ضرور بدلہ ملے گا۔انسان کو چاہیے کہ اس زندگی کو جان بوجھ کر اپنے لیے عذاب نہ بنائے۔ یہ زندگی اپنے مسائل اور اپنے مصائب وآلام کے باوجود بہت خوبصورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی اس خوبصورتی کی قدر کریں اور اس سے شاد کام ہوں۔اور اگر اپنے اندر یہ صلاحیت پاتے ہوں تو خود بھی خوبصورتی تخلیق کر کے اس کے حسن وجمال میں اضافہ کریں اور اسے رہنے کے قابل بنائیں کیونکہ اس کائنات کی خوبصورت تخلیق انسان ہی ہے اور اس نے ہی اپنے اچھے اعمال کی بدولت ہمیشہ کے لیے اس کائنات میں رہنا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الفاخوری، حنا: الجامع فی تاریخ الأدب العربی (أدب قدیم) دارالکتب للملابین، قاہرہ، مصر، ۱۹۷۴ء، ص ۸۴۳

۲۔ محمد کاظم: اخوان الصفاء، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، پاکستان، ۲۰۰۳ء، ص ۹۶؛ معری کی شخصیت اور فن کیلئے مزید ملاحظہ کریں، اسی کتاب کے صفحات، ص ۱۵۱۔۱۵۲

۳۔ محمد کاظم: اخوان الصفاء، ص ۱۵۰۔۱۵۱

۴۔ جبر، رجاء عبدالمنعم ڈاکٹر: رحلۃ الروح بین ابن سینا و دانتے۔ دار ثابت للنشر والتوزیع، قاہرہ، مصر، ۱۹۸۹ء ص ۴

۵۔ بنت الشاطی، عائشہ عبدالرحمٰن ڈاکٹر: الغفران دراسۃ نقدیۃ۔ نھضۃ مصر للطباعۃ، القاہرہ، مصر، ندارد، ص ۱۲۰

۶۔ جبر، رجاء عبدالمنعم ڈاکٹر: رحلۃ الروح بین ابن سینا وسنائی و دانتے، ص ۷

۷۔ البستانی: عربی ترجمہ الیاذۃ، دارالفکر، بیروت لبنان، ۱۹۶۷ء، ص ۱۹

۸۔ جبر، رجاء عبدالمنعم ڈاکٹر: رحلۃ الروح بین ابن سینا و دانتے، ص ۸

۹۔ المعری، أبوالعلاء: رسالۃ الغفران، دارالکتاب العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۳ء ص ۶۵

۱۰۔ أیضاً ص ۶۷۔۷۰

۱۱۔ الفاخوری، حنا: الجامع في تاریخ الأدب العربی، ص ۸۴۶

۱۲۔ بحوالہ محمد ریاض، ڈاکٹر: جاوید نامہ (تحقیق و توضیح) ص ۱۹

۱۳۔ جبر، رجاء عبدالمنعم ڈاکٹر: تاریخ الأدب المقارن، مکتبۃ الشباب، قاہرہ، مصر، ندارد، ص ۶۰

۱۴۔ الفاخوری، حنا: الجامع فی الأدب العربی، ص ۸۴۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۴۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۴۹

۱۷۔ ایضاً، ص ۸۵۰

۱۸۔ معری، ابوالعلا: رسالۃ الغفران، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء، ص ۲۴۹

۱۹۔ بحوالہ: اقبال العرب علی دراسات اقبال: اظہر، ظہور احمد ڈاکٹر، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸